مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ

گذشتہ سے پیوستہ

حضرت سید صاحبؒ اور شاہ صاحب : جہاں تک باہمی تعلق کا مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ شاہ صاحب سید صاحب کے معتمد خصوصی اور تحریک کے روح رواں تھے۔ پہلے گذرا کہ بحکم شاہ عبدالعزیز بیعت ہوئے، پہلے مرید تھے۔ پالکی کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑنا فخر سمجھتے تھے۔ جنگی گروپ میں خاص مشیرانِ سید بھی دو تھے، مولانا عبدالحی اور شاہ صاحب۔ نیز سید صاحب نے حسبِ ارشادِ خداوندی: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ اور وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ باقاعدہ مجلس بنا رکھی تھی جس کے رکنِ رکین شاہ صاحب ہی تھے۔ (جماعت مجاہدین ص۴۴) اور تحریک کا پورا دفتری نظام شاہ صاحب کی نگرانی میں تھا۔ بقول مہر صاحب جب شاہ صاحب مرکز میں ہوتے تو تمام مکاتیب وہی لکھواتے، سید صاحب مضمون بتا دیتے اور شاہ صاحب اسے جامہ عبارت پہنا کر لکھوا دیتے۔ (جماعت مجاہدین بحوالہ منظورہ ص۵۰) سید صاحب کی مہر پر اسمہ احمد اور شاہ صاحب کی مہر پر واذکر فی الکتاب اسمٰعیل لکھا تھا۔ اور یہ دونوں شاہ صاحب کے پاس رہتیں۔ (ایضاً ص۴۹) شاہ صاحب اور مولانا عبدالحی وقف للتبلیغ تھے۔ (آثار الصنادید بحوالہ جماعت مجاہدین ص۵۵) لیکن معرکہ جہاد میں شاہ صاحب کسی سے پیچھے بھی نہ تھے، یہاں تک کہ ترتیب جیش کے وقت مقدمۃ الجیش کی قیادت انہیں سونپی گئی (شاہ ندار ماضی ج۲ ص۲۰۹) (یاد رہے کہ مولانا عبدالحی ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ واقعہ بالاکوٹ سے تین سال پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، بوقت رخصتی زبان پر تھا اللھم الرفیق الاعلیٰ۔ حیات طیبہ ص۵۳۲ تاہم آپ کی زندگی میں جو معرکے ہوئے ان میں آپ بھی شریک رہے)

جنگی اور دفتری و انتظامی معاملات میں شاہ شہیدؒ کے متعلق سرسری تذکرہ آپ نے پڑھ لیا۔ مرزا حیرت نے حیات طیبہ کے صفحہ ۲۸۶ پر بعینہ یہ لکھا ہے اب ہم ۱۲۴۱ھ سے شروع ہونے والی لڑائیوں کا نہایت اختصار سے ذکر کرتے ہیں۔ زیادہ تر مقصد شاہ شہید کے حصہ شرکت کی وضاحت ہے کہ تذکرہ ان کا ہے وباللہ التوفیق جب قافلہ مجاہدین کابل پہنچا تو حکومت و رعیت کے حلقہ میں مشہور ملا محمدؒ سے واسطہ پڑا، پہلے ان کے شاگرد افغان لینے آئے پھر خود شاہ شہید نے خداداد طلاقت لسانی سے انہیں متاثر کیا اور وہ سید صاحب سے بیعت ہو گئے۔ یہ عظیم کامیابی تھی کیونکہ ان کی عقیدت گویا کابل بھر کی عقیدت تھی۔ (حیات طیبہ صفحہ ۲۸۸) پھر پہلی جنگ موضع خویشگی میں ہوئی مجاہدین دریائے لنڈہ کے اس طرف تھے کہ سردار اکوڑہ امیر خان آئے بیعت ہوئے ان کے مشورہ سے دریا کے اس پار جانا پڑا۔ معرکہ کارزار بپا ہوا۔ سکھ لاتعداد لاشیں اٹھا کر لے گئے اس کے باوجود ۲½ ہزار سکھ مقتولین کی نعشیں میدان میں پڑی تھیں۔

۲ر جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ ۲۱ر دسمبر ۱۸۲۶ء کو یہ فتح عظیم نصیب ہوئی شاہ صاحب بحکم امیر شریک میدان تو نہ ہو سکے البتہ کمان پیچھے سے وہی کرتے رہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۹۴) دوسرا حملہ حضرو پر ہوا سامان بہت ملا (صفحہ ۲۹۷) تیسرا معرکہ دریائے اباسین کے کنارے ہوا۔ ایک طرف سکھوں کا ٹڈی دل لشکر اور توپیں، دوسری طرف مفلوک الحال گنتی کے مجاہدین بہ قیادت شاہ صاحب، اللہ نے کامیابی عطا فرمائی۔ (صفحہ ۳۰۲) بعدہ مجاہدین نوشہرہ آ گئے سرداران پشاور آئے، بیعت ہوئے لیکن بعض شیعہ تھے (تقیہ باز) انہوں نے سید صاحب کے کھانے میں زہر ملا دیا اور سواری کے لئے لنگڑا ہاتھی دیا۔ سید صاحب کی ناگفتہ بہ حالت تھی، شاہ صاحب قیادت نہ کر سکے، یوں بھی امیر کی حالت کا مجاہدین پر اثر تھا۔ نتیجۃً زک اٹھانا پڑی لیکن سبب اسلام کے ابتدائی دشمن شیعہ بنے (صفحہ ۳۰۵) بعدہ لشکر چنڈئی چلا آیا، سردار پکھلی نے مدد مانگی شاہ صاحب کی زیر قیادت مختصر لشکر گیا۔ فاقہ سے چور تھے لیکن فتح ہوئی، سامان غنیمت بہت ملا جس سے رسد کی کچھ تکلیف بھی ختم ہوئی اعتماد علی اللہ اور توکل کے یہ کرشمے تھے! جو ایسے ہوں انہی کیلئے ہے ——
نصر من اللہ و فتح قریب۔ اور ساتھ ساتھ اللہ کی طرف شاہ صاحب جیسا جرنیل عطا ہوا۔ (صفحہ ۳۱۲)

اگلے دن خاص گڑھی پر حملہ ہوا فتح عظیم نصیب ہوئی، یہاں شاہ صاحب کی انگلی زخمی ہوئی فرماتے یہ انگلی شہادت ہے مالک منظور کرے تو میرے لئے کافی سرمایہ ہے۔ (صفحہ ۳۱۶) بعدہ دو ناگہانی آفتیں ٹوٹ پڑیں۔ مولانا عبدالحی کی وفات۔ قائدین و مجاہدین کے لئے صبر آزما سانحہ تھا لیکن

راضی برضا تھے (تغمدہ اللہ بغفرانہ) دوسرے مولوی محبوب علی صاحب دہلوی کا فتویٰ جس سے مجاہدین کی کمک رک گئی لیکن پیارے شہید کے ناخن تدبیر سے یہ گتھی سلجھ گئی اور دشمن ناکام ہوئے۔ (ص ۳۱۹) اس کے بعد اتمان زئی میں جنگ ہوئی بدقسمتی سے دوسری طرف فوج میں اکثر مسلمان تھے (آہ فریب خوردہ مسلمان ہر دور میں دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہوا۔) کمانڈر شاہ صاحب نے حکم دیا کہ سوائے سینہ بسینہ جنگ کے کسی کو قتل نہ کریں، بھاگتے ہوؤں کا تعاقب نہ کریں، قیدیوں سے حسن سلوک کریں۔ سردار خیبر گو بیعت ہو چکا تھا لیکن کھوٹے سکے اس کا ضمیر خرید چکے تھے، وہ بھی شریک دشمن تھا۔ ہمت مردانہ سے حملہ ہوا سب تفرقہ ہو گئے۔ پنجاب پر ایسی دھاک بیٹھی کہ ۲ ہزار سرداروں کے فدویت نامے آگئے۔ (ص ۳۲۳)

آٹھویں جنگ سب سے زیادہ مشہور ہے اس میں مخالفین کا کمانڈر مشہور فرانسیسی جنرل انطورا تھا جس کا رنجیت سنگھ سے وعدہ تھا کہ سید احمد اور شاہ اسماعیل کو زندہ دربار میں لاؤں گا۔ پھر باغی امیر خادی خان (ریاست ہنڈ) نے اسے اور ڈھارس بندھائی، توپیں اور سامان بے حد تھا، جنرل نے دریائے اباسین پار کر دیا، لیکن شاہ صاحب نے دیوار تعمیر کرائی جس میں سید صاحب سمیت سب شامل تھے اس پر برجیاں بنوائیں ان پر توپیں نصب ہوئیں، لشکر کے حصے بنا دیئے۔ ہر حصہ کا مخصوص نشان تھا۔ شاہ صاحب نے جھنڈی کیا ہلائی مجاہدین نے ایسا تابڑ توڑ حملہ کیا انطورا اور خادی خان خائب وخاسر ہو کر دوڑے اور اس طرح کہ مثال مشکل سے ملے گی۔ (صفحہ ۳۳۲) انطورا نے بزدلی دکھائی بھاگتے ہوئے بہ مشورہ خادیخان مسلمانوں کے گھر جلاتا گیا خادیخان کی سرکوبی ضروری تھی، شاہ صاحب مختصر سی جماعت لیکر راتوں رات قلعہ کو پھاند کر اندر گھس گئے۔ خادیخان کے حواس باختہ ہو گئے۔ کوئی راستہ نہ ملا، ذلیل ہو کر دوڑا شاہ صاحب نے اخلاق کریمانہ کا ثبوت دیا، قلعہ میں کسی کو چھیڑا تک نہیں۔ سامان جنگ پر قبضہ کیا، فتح ہوئی، بعد میں حالات ایسے ہوئے کہ شاہ صاحب گرفتار ہو گئے۔ سید صاحب اور مجاہدین پریشان تھے۔ لیکن شاہ صاحب مردانہ وار قید سے نکل کر للکارتے ہوئے واپس آگئے۔ اور خادیخان کو منہ کی کھانی پڑی۔

مجاہدین سید صاحب سمیت پنجتار تھے، خیال آیا کہ کشمیر کو ہیڈ کوارٹر بنائیں، لیکن راستہ میں امیب کی ریاست تھی جس کا سردار بڑا مغرور تھا، اس نے راستہ روکنا چاہا، ادھر سے حملہ کی تیاری ہوئی، اس نے چال چلی فدویت نامہ لکھا اور پھر شب خون مارنا چاہا، رات کے سناٹا میں اس نے یہ حرکت کی مجاہدین ہتھیار باندھے آرام کر رہے تھے۔ ایسی مدافعت کی کہ اس کو جان کے لالے

پڑ گئے۔ وہ بھاگا اور ایسے کہ پھر پتہ نہ چلا۔ سید صاحب نے امیب کے انتظام کو شرع محمدی کے مطابق کیا، قاضی مقرر کئے، اپنی اور شاہ صاحب وغیرہ کی مہریں بنیں۔ (ص۳۳۸) اس کے بعد خالصہ فوج نے بدلہ چکانا چاہا، چتر بائی پر حملہ کیا لیکن مجاہدین کی جی توڑ جوابی مدافعت سے عبرتناک شکست کھائی (ص۳۹۳)

پھر پشاور کا قصد ہوا، شانِ خداوندی کہ ایک قطرہ خون بہے بغیر پشاور قبضہ میں آگیا سردار پشاور پہلے کئی بار بدعہدی کر چکا تھا لیکن مسلمانوں کا عفو و درگذر ایک مثالی چیز ہے۔ اس نے پھر معافی مانگی چنانچہ حاکم وہی رہا، البتہ نظام کو شرع کے مطابق کیا۔ عامل مقرر کئے۔ بدقسمتی سے آپ واپس چلے آئے۔ عاملین سے بعض باتیں ایسی سرزد ہوئیں جو باشندگان علاقہ کو پسند نہ تھیں سردار کا دل پہلے سے گندا تھا۔ سازش سے تمام عامل قتل کر ڈالے، شاہ صاحب اور سید صاحب کیلئے یہ خبر بڑی روح فرسا تھی، وہ مسلمان کی بلندی و کامیابی کیلئے مصائب برداشت کر رہے تھے لیکن نام نہاد مسلم فرماں رواؤں کی بدعہدیاں نکتہ عروج پر پہنچی ہوئی تھیں۔ آپ نے دل برداشتہ ہو کر اعلان ہجرت کر دیا اور فرمایا جو چاہے یہاں رہے جو چاہے چلا جائے۔ کچھ لوگ چلے گئے لیکن کچھ

یہ نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے	یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے۔

کہہ کر رک گئے۔ (ص۳۵۱)

اب سید صاحب کاغان مقیم ہوئے کچھ مکانات بنائے کہ مہاجرین آرام سے رہ سکیں۔ بالاکوٹ ایک محفوظ مقام تھا۔ شہادت سے چند روز پہلے کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں:

"فی الحال بالاکوٹ کے قصبہ میں کہ اس کے درّوں میں ایک درہ ہے، جمعیۃ خاطر کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہوں، اور کفار کا لشکر بھی مجاہدین کے مقابلہ کے سئے تین چار کوس کے فاصلہ پر ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے لیکن چونکہ مقام مذکور محفوظ ہے، لشکر مخالف خدا کے فضل سے وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ (مقالات ص۱۰۶)

لیکن دشمن چالوں میں لگا تھا اور کسی کا ضمیر خریدنے کی فکر میں تھا کہ سراغ ملے۔ راستہ تنگ تھا، بمشکل ایک آدمی وہاں سے گذر سکتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ آپ توپیں ساتھ نہ لا سکے تھے۔ راستہ میں مختلف گاؤں کے لوگوں کو امانت کے طور دے گئے تھے۔ رؤسا بالاکوٹ بے ایمانی و ضمیر فروشی کا مکروہ دھندا نہ کرتے تو آپ جمعیت خاطر سے اگلا پروگرام سوچ سکتے۔ لیکن تاریکی کے بادل ہنوز چھٹے نہ تھے۔ مسلمانوں کے سروں پر مسلط ہونے والا تاریک سایہ غلامی ابھی باقی رہنا

تھا۔ بکاؤ مال نے دشمن سے سازباز کی وہ دوڑ آیا، یہاں مختصر جماعت تھی، سامان پاس نہ تھا، شاہ صاحب سمجھ گئے کہ آخری میدان ہے اور وقت آخر ہے، جی توڑ کر لڑو، چنانچہ لڑے اور ایسے کہ بقول الیگزنڈر موت کے بعد سو سے زیادہ زخم تھے۔ شاہ صاحب اور سید صاحب حیاتِ جاودانی حاصل کر گئے۔ سرزمین بالاکوٹ کو اپنے خونِ مقدس سے رونق بخشی مکینوں کی پیشانیوں پر سیاہ داغ لگا۔ اس کلنک کے ٹیکہ نے دارالاسلام کا تصور قصۂ پارینہ بنا دیا۔ انگریزنے چراغ جلائے اور ۲ سال بعد باقاعدہ حکمران بن گیا یعنی بقالی سے حکمرانی۔ (کما مرتبہ واسطہ مولانا سندھیؒ)

یہ واقعۂ عظمیٰ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۵ مئی ۱۸۳۱ء یوم جمعہ کا ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

" بالاکوٹ کا چپہ چپہ ہندوستان کے آخری مسلمان مجاہدین کے پاکیزہ خون سے رنگین ہو چکا ہے یہ وہی مقام ہے جہاں تاریخِ ہند کے عہد اسلامی کی چند عظیم النظیر ہستیاں محو استراحت ہیں " یہ خراجِ عقیدت ہے ایک مبصر و مورخ کا اس سرزمین کو جسے بالاکوٹ کہتے ہیں، اور جس نے اپنے جگر کو چیر کر اس مقدس امانت کی حفاظت کی ہے اور یوں روضۃ من ریاض الجنۃ ہونے کا شرف حاصل کیا ہے، جہاں مقصدِ عزیز کی خاطر خونِ مسلم کا ایک قطرہ بہے اس مقام کی رفعت و عظمت اوجِ ثریا سے ماوراء ہے تو جہاں سید احمد اور شاہ اسمٰعیل جیسوں کا خون بہا اس مقام کی رفعتوں کا کیا ٹھکانہ ـــــ ؟

مگر افسوس کہ وہاں کے مکینوں نے ان نووارد مجاہدین کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا جن کے دل سوزِ ایمان سے لبریز تھے اور جنہوں نے اسلام و مسلمان کی سربلندی کیلئے جان ہتھیلی پر رکھ چھوڑی تھی واحسرتا غداری ایک ایسی مقدس جماعت سے جسکی جفاکشی ایک مفکر کیلئے سامانِ حیرت پیدا کرتی ہے " ذرا اس گیت کو ملاحظہ فرمائیں، جفاکشی اور مقصد سے وارفتگی کے یہ نمونے دنیا نے کم دیکھے ہوں گے۔

کافر کے خلاف جنگ مسلمانوں کا فرضِ اولیں ہے۔ سب کام چھوڑ کر اسکی تیاری کرو۔ جو شخص اس مقصد کے لئے ایک پیسہ دے دوسری دنیا میں سات سو گنا اجر ملے اور جو بذاتہ شاملِ جنگ ہو اسے سات ہزار گنا۔ جو ایک مجاہد کو ہتھیار دے اسے ثوابِ شہادت ملے۔ بزدلی کو خیر باد کہو، اپنے روحانی قائد کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ اور کفار پر ضرب کاری لگاؤ۔ ہزاروں لوگ میدان میں جاتے ہیں لیکن ان کا بال بیکا نہیں ہوتا۔ اور ہزارہا گھر میں رہتے ہیں مگر موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

یہ وہ مقدس جماعت تھی جس کے قائد کے متعلق ہنٹر یہ کہتا ہے : ان کا دھیان خدا کی طرف

تھا اور روح ہم وطنوں کی نجات کے لئے تڑپتی رہی۔ (کیا ہم وطن سکھ کے مظالم کا شکار تھے یا انگریز کے) بدعہدی اس جماعت سے جو خدائی خدمتگار تھے، اور جن کا مقصد علم الٰہی کو بلند کرنا تھا، اور جن میں رضائے ایزدی اس درجہ موجود تھی کہ معرکہ کارزار میں جب سر تن سے جدا ہو گیا تو خون کا ہر قطرہ زبانِ حال سے کہہ رہا تھا۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

درحقیقت ایثار و قربانی اور جذبۂ فدائیت کا یہ آخری نظارہ تھا جس کے متعلق یوسف سلیم چشتی کا یہ اقتباس سراسر مبنی برصداقت ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا یہ آخری نظارہ تھا جو چشم ہند نے دیکھا اس کے بعد ایسا انقلاب عظیم رونما ہوا کہ مسلمان جہاد تو درکنار تلوار سے بھی محروم ہو گئے۔

کتنی سچی حقیقت ہے۔ پھر غلامی کی تاریک شب جس طرح دراز ہوئی اس سے کوئی انکار کر سکتا ہے، اور اس تاریکی کے مکروہ اثرات یعنی تبدیلی قلوب سے تو تاہنوز چھٹکارا نہیں ہوا فیاللعجب، ان سیاہ بخت، خونخوار، درندہ صفت، بے ضمیر، بدعہد اور قوم فروش لوگوں نے ان کا کیا بگاڑا۔؟ کچھ بھی نہیں بلکہ یہاں تو بل احیاء کا اعلان ہے اور اس حیات کو انسانی شعور سے ماوراء قرار دیا جا رہا ہے۔ ولکن لا تشعرون۔ نیز مردہ گمان کرنے کی ممانعت ہے۔ لاتحسبن الذین قتلوا الآیۃ۔

اور دوسری طرف خود کیا حاصل کیا آنے والی نسلوں کی لعنت ملامت۔ خدا کی طرف سے دنیا میں ذلت و مسکنت جس کا نظارہ چشم بصیرت آج بھی کر سکتی ہے —— رہ گیا اگلا جہاں، تو یہ خون میں لت پت حاضر ہوں گے۔ حضرت حق کے وارے نیارے ہوں گے، حوران جنت جان چھڑکیں گی، پیغمبر با عظمت امتیوں کو دیکھ کر فخر محسوس کرے گا۔ دوسری طرف روسیاہی ہو گی۔ ٹھکانہ ڈھونڈیں گے ملے کہاں سے ؟ شجرہ زقوم، مار کالمھل اور مار حمیمن سے دو چار ہونا پڑے گا۔ ان بطش ربک لشدید۔

اعاذنا اللہ منھا ومن بطشہ وغضب نبیہ ولعنۃ ملائکتہ ومن عذاب النار۔

اختتام سے پہلے سرسری تذکرہ شاہ شہید کے علمی سرمایہ کا ضرور ہے۔ شاہ صاحب کو فرصت نہ ملی، ملتی تو اسلامی لٹریچر کو اتنا کچھ دے جاتے کہ نسلیں فخر کرتیں۔ تاہم مختصر مدت میں تقویۃ الایمان جیسی کتاب تو دے گئے جس نے بقول مولانا گنگوہیؒ ان کی زندگی نے ۲، ۲½ لاکھ انسانوں کی کایا پلٹ دی (ارواح ثلاثہ ص۶۳) اور جس کو وقت کے اجلہ علماء کی مہر تصدیق کے بعد اشاعت

کے سپرد کر دیا۔ (ایضاً) علاوہ رسالہ یک روزی (تقویۃ الایمان پر مولوی فضل حق صاحب کے اعتراضات کا جو ایک دن ہی میں ایک مختصر نشست میں قلم برداشتہ لکھا۔) تنویر العینین، منصب امامت، اصول فقہ، صراطِ مستقیم (مشتمل بر ملفوظات حضرت سید احمدؒ و مقام تجدید) جیسا سرمایہ علمی ان کی یادگار ہے۔ نیز حقیقتِ تصوف (ناپید) حیات طیبہ ص۱۶۱ الاخرۃ ہندؒ ص۹۶

(حیات طیبہ) نیز تفسیر قرآن لکھنے کا ارادہ کیا۔ عم مکرم نے کہا نئی بات ہو تو لکھو کہ تفسیریں بہت ہیں تو ارادہ ترک کر دیا۔ (حیاتِ طیبہ) علاوہ ازیں مکتوبات، ملفوظات، خطبات، اشعار کا ضخیم ذخیرہ جس کا کافی حصہ زمانہ کی بے اعتنائی کی نذر ہو گیا، تاہم کافی محفوظ ہے ــــ مسلکاً حنفی تھے، گو ابتدا اباعن التقلید تھا مگر بعد میں حنفیت کو اپنایا۔ (محققین کا یہی فیصلہ ہے واللہ اعلم) زمانہ ابا میں بھی امام صاحب کی عظمتوں کے بصدق دل قائل تھے۔ (حیاتِ طیبہ ص۹) طبیعت میں اعتدال تھا افتراق جماعت سے سخت متنفر تھے، مولوی قاسم صاحب امام عیدگاہ آپ کے شدید مخالف تھے۔ لیکن عید وہیں پڑھتے، سوال پر فرماتے کہ افتراق جماعت سنگین جرم ہے، اللہ کے غضب کا سبب۔ (حیاتِ طیبہ ص۱۸۱) انگریزی فتنہ سامانی کے شکار اور نکتہ چینان شہید کیلئے اس کے بعد توبہ لازم ہے ورنہ مقدس خون کے چھینٹے روزِ محشر دامن پکڑیں گے، پھر دامن چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ نیز افتراق جماعت پر جی جان سے راضی ہونے والے اور عقائد کی بحث کو تشدد کے مہلک ہتھیار سے تسلیم کرنے والے بزرگوں کو بھی غور و فکر سے کام لینا چاہئے ــــ اصولِ تبلیغ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ ہے بلکہ مجادلہ بھی ہو تو احسن طریق سے۔ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ تشدد اور درشتی زبان اللہ کو پسند ہوتی تو بقول رئیس الاحرار چوہدری افضل حق مرحوم پیمبرؐ کی زبان نہ ہوتی ڈنڈے کی ہوتی۔ شیریں مقالی، مہذبانہ اور سنجیدہ گفتگو شیوہ مسلم ہونا چاہئے، مخالفین کو کوسنا عقل و دانش نہیں کسی کے باپ کی وہی توہین کرے گا جو دوسروں کے بزرگوں پر گند اچھالے۔ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ۔ (القرآن)

خداوند قدوس اسلاف کے نقشِ قدم پر چلائے ان کے دامنِ عقیدت سے سچی وابستگی نصیب فرمائے، اسی میں کامیابی ہے اور اس کے بعد ان کے مشن کی تکمیل ممکن ہے خدا توفیق بخشے۔ حرفِ آخر کے طور پر نواب سر محمد ناصر الملک مرحوم مہتر آف چترال کے تین شعر بہ یادِ شہید ملاحظہ فرمائیں:

ہندیان خفتہ را بیدار کرد   بندگانِ نفس را احرار کرد
اے ذبیح اللہ اسمٰعیل ما   شد فدایت صورِ اسرافیل ما
گفت اسماعیل معبودم خدا است   پیشوائے من محمد مصطفےٰ است